اجمل کمال کے 'آج' میں فکشن کی تنقید

(تعارف،تجزیہ،اشاریہ)

Criticism on Fiction in Ajmal Kamal's Aaj: Introduction, Analysis and Inex

عبدالحمید، ریسرچ اسکالر اُردو، فاصلاتی نظام تعلیم، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

ڈاکٹر محمد خاور نوازش اسسٹنٹ پروفیسر اردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

Abstract

Ajmal Kamal is publishing a renowned quarterly literary journal 'Aaj' from Karachi (Pakistan) since 1989. This journal is celebrated for its translations of fiction from English, Arabic, French, Hindi, Persian & German language. Ajmal Kamal as editor selects world's best literature for his journal's readers and get it translated in Urdu. His selection is from different genres of literature but he prefers stories whether it is short-story or novel. 'Aaj' has also given a vital movement to a considerably new genre of Urdu poetry named as "Nasri Nazm" and introduced the great literary works of poets like Afzal Hussain Syed, Zeeshan Sahil & Azra Abbas in this regard. Besides all this, very notable, well written and significant literary criticism has also been published in 'Aaj'. Critical essays of celebrated writers on fiction, poetry, language & linguistics, religion, social sciences and reviews of different books have been published in different issues. Distinguished critics of "Aaj" from Urdu world are Nayyer Masood, C.M. Naim, M. Khalid Akhtar, Shamsur Rehman Farooqi, Ajmal Kamal, Fehmeeda Riaz, Arjumand Ara, Bakht Bedar and Muzzafar Ali Syed. This article presents an introduction, analysis and index of all that criticism published in 'Aaj' on fiction.

کلیدی الفاظ: آج۔رسالہ۔اجمل۔کمال۔فکشن۔تنقید۔ابن انشا۔خالد اختر۔اچھبے۔اشاریہ خاور۔نوازش۔عبدالحمید۔ترجمہ۔سہ ماہی۔نیر۔مسعود۔فہمیدہ۔مارکیز۔میندوزا

اردو کے وسیع ادبی سرمایے پر نظر ڈالنے سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تمام اصناف کی روایات کو فروغ دینے میں جس قدر تخلیق کاروں کا حصہ ہے اُسی قدر اُن کی تخلیقات کی کتابت کرنے والوں، انھیں لوگوں تک پہنچانے

کا سامان کرنے والوں اور مختلف صورتوں میں شائع کرنے والوں کا بھی اہم حصہ ہے۔آج کے نامساعد حالات میں دیکھا جائے تو ادب سے دلچسپی رکھنے والوں تک تخلیقات کو پہنچانا بھی فردِ واحد کا کام نہیں رہا۔اس کے باوجود ابھی بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی انفرادی زندگی کی مصروفیات اور معاشی تنگیوں کے باوجود یہ کام ادب سے محبت اور اس کی خدمت سمجھ کر انجام دے رہے ہیں۔کچھ تخلیق کار یا نقاد کسی مخصوص فکری رجحان کو ادب کے قارئین میں عام کرنے کے لیے بھی چند رسائل جاری رکھے ہوئے ہیں۔ایسے سبھی مدیران اور رسائل کے بانیان کی خدمات لائقِ تحسین ہیں۔پاکستان میں شروع سے اب تک کراچی اور لاہور کو اردو کے ادبی رسائل کے اجرا اور تسلسل کے حوالے سے فوقیت حاصل ہے۔موجودہ دور میں دیکھا جائے تو کراچی سے فرمان فتح پوری صاحب کی وفات کے بعد بھی 'نگار' جاری ہے، ڈاکٹر آصف فرخی 'دنیازاد' نکال رہے ہیں، احمد زین الدین 'روشنائی'، محمود واجد 'آئندہ'، عنبرین حسیب عنبر 'اسالیب'، ترقی پسندوں میں واحد بشیر کے بعد ڈاکٹر سید جعفر احمد اور اُن کے دوسرے ساتھی 'ارتقا'، شاہدہ تبسم 'کولاژ'، احسن سلیم 'اجراء'، نسیم درانی 'سیپ' اور مبین مرزا 'مکالمہ' نکال رہے ہیں۔لاہور سے صدیقہ بیگم 'ادبِ لطیف'، شاہد علی خان 'الحمرا'، ڈاکٹر ناہید قاسمی 'فنون' اور اظہر جاوید 'تخلیق' شائع کر رہے ہیں۔اسی طرح راولپنڈی/اسلام آباد سے علی محمد فرشی 'سمبل'، سلطان رشک 'نیرنگِ خیال'، منصور عاقل 'الاقربا' اور نصیر احمد ناصر 'تسطیر' شائع کر رہے ہیں۔فیصل آباد سے قاسم یعقوب 'نقاط'، بہاول پور سے شاہد حسن رضوی 'الزبیر' اور ملتان سے ڈاکٹر انوار احمد 'پیلوں' کے نام سے سہ لسانی جریدہ نکالتے ہیں۔ان شخصیات کے علاوہ مختلف اداروں جیسا کہ ادارہ فروغِ قومی زبان اسلام آباد سے نکلنے والے 'اخبارِ اُردو'، اکادمی ادبیات اسلام آباد سے 'ادبیات'، مجلس ترقی ادب لاہور سے 'صحیفہ'، وزارتِ ثقافت و اطلاعات کے تحت لاہور سے 'ماہِ نو'، انجمن ترقی اُردو کراچی سے 'قومی زبان' اور 'اُردو'، اقبال اکادمی سے 'اقبالیات' اور بزمِ اقبال لاہور سے 'اقبال' وغیرہ الگ سے اپنی ایک پہچان اور حلقۂ قارئین رکھتے ہیں۔اِن کے علاوہ مختلف تعلیمی اداروں اور اشاعت گھروں کے بھی کچھ اپنے اپنے ادبی رسائل ہیں جو تواتر سے شائع ہو رہے ہیں۔اُردو کے ادبی رسائل و جرائد کی اس پوری کہکشاں میں ایک نہایت اہم نام کراچی سے شائع ہونے والے سہ ماہی رسالہ 'آج' کا ہے جس کے مدیر اجمل کمال(۱) ہیں۔یہ رسالہ اُردو تراجم کے حوالے سے اپنی ایک منفرد پہچان رکھتا ہے۔اس وقت جس طرح عالمی زبانوں کا تخلیقی ادب اور تنقیدی تحریروں کے تراجم 'آج' میں شائع ہو رہے ہیں پاکستان سے شائع ہونے والے کسی اور رسالے میں نہیں ہو رہے۔'آج' کے توسط سے فارسی، ہندی، انگریزی، عربی، تامل، تیلگو، فرانسیسی، ہسپانوی، جرمن غرض یہ کہ دنیا کی ہر بڑی زبان کا تخلیقی ادب ترجمہ ہو کر اُردو قارئین تک پہنچ رہا ہے۔'آج' کے مدیر اجمل کمال ایک روشن خیال، خرد افروز اور حقیقت پسند انسان، لکھک اور مدیر ہیں۔اُن کے رسالے کا فکری رجحان بھی یہی ہے۔اجمل کمال نے خود فکشن میں طبع آزمائی نہیں کی بلکہ تراجم کیے، تحقیق اور تنقید لکھی۔اُردو دنیا کا شاید ہی کوئی قاری یا تخلیق کار ہو جو اجمل کمال کے نام اور کام سے واقف نہ ہو۔

رسالہ 'آج' کا آغاز ۱۹۸۱ء میں حیدر آباد سے ہوا۔پہلے شمارے سے ہی اس میں روایتی رسالوں سے ہٹ کر

ایسے ادبی مواد کو شامل کیا گیا جو نئے رجحانات کا عکاس ہو مثلاً نثری نظم شروع سے ہی 'آج' کا زیور ہے۔ایک انٹرویو میں اجمل کمال بتاتے ہیں:

''آج کا کام میں نے ۱۹۸۱ء میں شروع کیا، تب میں ۲۳ برس کا تھا۔مطالعہ کی عادت تھی، تو مجھے خیال آیا کہ اُردو میں اور دوسری زبانوں میں جو کچھ لکھا جا رہا ہے، ان کو ملا کر دیکھا جائے۔تب میں حیدرآباد میں تھا، پہلا شمارہ ۱۹۸۱ء میں حیدرآباد سے نکلا تھا۔تو کچھ ایسے نئے رجحانات تھے، جن کو ہمارے روایتی ادبی رسالے جگہ نہیں دیتے تھے، مثلاً نثری نظم کا اس میں کافی حصہ تھا، پھر اس میں بھارت ایران اور دوسری جگہوں سے تراجم شامل کیے، پولینڈ کے ایک شاعر کی نظمیں تھیں، پھر بورخیس سے ہم نئے نئے متعارف ہوئے اس کے تراجم کا ایک سیکشن بنایا تھا۔پھر ہم اسے چلا نہیں سکے۔''(۲)

آج کا آغاز ایک کتابی سلسلہ کے طور پر ہوا تھا۔اس کی پہلی کتاب کے حوالے سے انور سن رائے کا تبصرہ ملاحظہ کریں:

''پہلی کتاب کی ابتدا ہی ترقی پسند تحریک کے ختم اور 'مجرد جدیدیت' کا زور ٹوٹ جانے کے اعلان سے کی گئی۔یہ کسی حد تک ایک جداگانہ منشور کا اعلان تھا۔اس انتخاب میں اگر ایک طرف ذیشان ساحل جیسا نوجوان تھا تو دوسری طرف حسن منظر اور اسد محمد خان جیسے سینئر لکھنے والے۔شاہ لطیف، میرابائی اور سرویشور دیال سکسینہ کے تراجم تھے تو ساتھ ساتھ پولش شاعر تادیوش روزے وچ اور ہسپانوی خورخے لوئس بورخیس کو بھی اُردو میں پیش کیا گیا۔''(۳)

آج کی دوسری کتاب ۱۹۸۶ء میں حیدرآباد سے ہی منظرِ عام پر آئی۔یہ دراصل میلان کنڈیرا نمبر تھا جس میں اس چیک ادیب کی تحریروں کے تراجم شامل کیے گئے تھے۔یہ تراجم اجمل کمال کے علاوہ آصف فرخی اور محمد عمر میمن نے کیے۔اس دوران 'آج' رسالے کا ڈیکلیئریشن لینے کا سوچا گیا لیکن چونکہ آمریت کا دور تھا اور جنرل ضیاء الحق نے پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس (PPO) کے تحت پہلے ہی اخبارات ورسائل پر کڑی سنسر شپ عائد کر رکھی تھی سو یہ مساعی کامیاب ہوتی دکھائی نہ دی۔اس دور کی مجموعی فضا کے حوالے سے اجمل کمال کی مندرجہ ذیل 'وضاحت' ملاحظہ کیجیے جو آج کی دوسری کتاب 'میلان کنڈیرا نمبر' کے آغاز پر درج ہے:

''یہ تعجب کا مقام نہیں کہ ہمارے معاشرے میں ایک یک رخی کو سکہ رائج الوقت کی حیثیت حاصل ہے۔یہ رواداری، کشادہ ذہنی اور حسِ مزاح کے اس المناک فقدان کا جائز نتیجہ ہے جو کسی نہ کسی نقطۂ نظر کے حوالے سے ہم سب پر، کم وبیش، مسلط ہے۔ہمارے سیاسی اور مذہبی نظریات کی ریل پیل میں، جس پر بظاہر تنوع کا گمان ہوتا ہے۔کم از کم ایک شے مشترک ہے: اختلافِ رائے کو پنپنے نہ دینے پر ہولناک اصرار۔ہماری نظریہ پرستی اور اندھے ایقان کی بارگاہ میں لب کشائی کی ادب کو تو

کیا مجال ہوگی جس کے ضمیر میں، بقول کنڈیرا، ہر نظامِ خیال کے حوالے سے تشکیک موجود ہے،
تاریخ تک اس بارگاہ میں قطع اعضا کرائے بغیر داخل نہیں ہوسکتی۔''(۴)

اگست ۱۹۸۸ء میں ضیاء الحق آنجہانی ہوا اور غلام اسحاق خان نے کرسیٔ اقتدار پر متمکن ہوکر اس آرڈیننس کو ختم کر دیا۔ یوں ستمبر ۱۹۸۹ء میں اجمل کمال کی ادارت میں 'آج' کا باقاعدہ سہ ماہی رسالے کے طور پر اجرا ہوا۔اس کی مینجنگ ایڈیٹر اور پبلشر اجمل کمال کی اہلیہ زینت حسام تھیں، کمپوزنگ کا تمام کام اُن لوگوں نے گھر پر کیا، طباعت ابنِ حسین پرنٹنگ پریس کراچی سے کرائی جبکہ اس کی تقسیم کاری مکتبہ دانیال کراچی کے حصے میں آئی۔یہ سہ ماہی 'آج' کا پہلا شمارہ تھا اور اس میں تاراشنکر بنرجی، ستیہ جیت رائے، اسد محمد خان، محمد خالد اختر، ڈونلڈ بارتھیلم، ولیم سیرویان، افضال احمد سید، ذی شان ساحل، نسرین انجم بھٹی اور سعید الدین کی تخلیقات شامل تھیں۔علاوہ ازیں 'انتخاب' کے عنوان سے ایک خصوصی گوشہ بھی اس کا حصہ تھا جس میں نیر مسعود کی تحریروں کا ایک انتخاب شامل کیا گیا تھا اور ابتدائیہ میں وضاحت کی گئی تھی کہ 'انتخاب' کے عنوان سے اس طرح کا ایک خصوصی گوشہ آئندہ ہر شمارے میں شامل کیا جائے گا۔'آج' کے ارتقائی سفر میں بہت سی تبدیلیاں رُونما ہوتی رہیں سو اُس سفر میں کسی مرحلے پر نازل ہوئی کوئی ایک تبدیلی یا تبدیلی کی خواہش 'انتخاب' کو بھی نگل گئی۔۱۹۸۹ء سے ۲۰۱۷ء تک رسالہ 'آج' کے سو(۱۰۰) شمارے منظرِ عام پر آ چکے ہیں اور اب اِسے پاکستان سے نکلنے والے اُردو کے صفِ اول کے چار پانچ ادبی رسائل میں بلا شک وشبہ شامل کیا جا سکتا ہے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ 'آج' نے اپنے معیار اور مزاج کو آج تک برقرار رکھا ہے۔ اجمل کمال نے اس رسالے کی جو انفرادیت (بحوالہ تراجم) پہلے شمارے سے طے کی وہ آج بھی اس کی انفرادیت شمار ہوتی ہے۔سہ ماہی 'آج' کا ادبی سفر کم و بیش ۲۸ برس سے تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔اس دوران کئی خصوصی شمارے شائع کیے گئے۔پہلی دفعہ 'آج' نے یہ رجحان بھی دیا کہ مکمل کتاب ہی ایک شمارے میں شائع کر کے اسی خصوصی بنا دیا جائے۔'آج' کا شمارہ نمبر ۲۷ اس کی مثال ہے جس میں خالد طور کا مکمل ناول بالوں کا گچھا شائع ہوا، اسی طرح اُن کے ناول کانی نکا حکو بھی خصوصی شمارہ بنایا گیا۔'آج' کا بالکل تازہ شمارہ جو دراصل تین شماروں ۹۸۔۹۹۔۱۰۰ پر مشتمل ہے اس رسالے کی تاریخ کا سب سے ضخیم شمارہ ہے جس میں یشپال کا ایک مکمل ناول بعنوان جھوٹا سچ چھاپ کر اسے خصوصی بنا دیا گیا ہے۔آج کے دیگر اہم خصوصی شماروں میں فارسی کہانیوں اور ہندی کہانیوں کے خصوصی نمبرز کے علاوہ شمارہ نمبر ۷ [گابرئیل گارسیا مارکیز نمبر]، شمارہ نمبر ۹ [کہانی نمبر]، شمارہ نمبر ۱۳ [عربی کہانیاں]، شمارہ نمبر ۱۵ [فارسی کہانیاں]، شمارہ نمبر ۱۷ [سرائیو و سرائیو]، شمارہ نمبر ۲۰، ۲۱ [کراچی کی کہانی]، شمارہ نمبر ۳۶، ۳۷ [ہندی کہانیاں]، شمارہ نمبر ۴۲ [نرمل ورما: منتخب تحریریں] اور شمارہ نمبر ۵۲ [محمد خالد اختر نمبر] شامل ہیں۔

اجمل کمال چونکہ خود آئیڈیالوجی کی حدود کے قائل نہیں تھے اس لیے انھوں نے کوشش کی کہ 'آج' کے فکری رجحان پر بھی کسی مجرد آئیڈیالوجی کا کوئی اثر نہ پڑے اور نہ قارئین کو نظر آئے۔بتاتے ہیں کہ:

''پاکستان بننے کے بعد ریاست کی ترجیحات وہ نہیں رہیں وہ رہنی بھی نہیں چاہیے تھیں، لوگوں کا

خیال تھا کہ حالات بہتری کی طرف جائیں لیکن شناخت کا جو مسئلہ تھا اس نے ریاست کے ویژن کو بہت محدود کر دیا۔ ہم نے بالکل دفاعی انداز اختیار کر لیا کہ ہم نے یہ جو ملک بنایا ہے اس کا جواز گھڑنے کی ضرورت ہے، آئیڈیالوجی کی حدود نے ہمیں بہت نقصان پہنچایا۔ تعلیم کے معیار کو بہت نقصان پہنچایا۔''(۵)

ثقافتی حوالے سے اجمل کمال کسی دوٹوک اصول بندی کے بھی قائل نہیں لیکن بنیاد پرستی اور رجعت پسندی کے مخالف ہیں۔ اُن کا ماننا ہے کہ دنیا کی مختلف ثقافتوں میں کچھ چیزیں مشترک ہوتی ہیں اور کچھ مختلف۔ ترجمہ کرتے ہوئے ثقافتی رنگ کسی حد تک ایک زبان سے دوسری میں منتقل ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔ اجمل کمال کا زیادہ تر تصنیفی کام ترجمے کا ہے۔ انھوں نے فارسی، ہندی اور انگریزی وغیرہ سے متعدد فکشن تحریریں اور علمی و ادبی مضامین وغیرہ اُردو میں منتقل کیے ہیں۔ اُن کی دوسری اہم پہچان نقاد کی ہے۔ گو کہ انھوں نے بہت زیادہ تنقید نہیں لکھی لیکن جتنی بھی لکھی با کمال لکھی۔ یہی حال اُن کے رسالہ 'آج' کا بھی ہے۔ اب تک شائع ہونے والے سو شماروں کا مجموعی حجم ذہن میں رکھیں تو اس میں شائع ہونے والی ادبی تنقید کل حجم کا ایک دہائی حصہ بھی نہیں لیکن جو تنقید 'آج' میں شائع ہوئی وہ اپنے موضوعات، اسالیب اور انداز کے اعتبار سے بہت اعلیٰ پایے کی ہے۔

'آج' کی ادبی تنقید میں فکشن، شاعری اور علمِ زبان پر شائع ہونے والے مضامین کے علاوہ کتب پر وقیع تبصرے اور شخصیات پر تاثراتی نوعیت کے مضامین وغیرہ شامل ہیں۔ اب تک شائع ہو چکے سو (100) شماروں میں سے کل ملا کر 130 کے لگ بھگ ایسی تحریریں نکلتی ہیں جنھیں رسالہ 'آج' کی ادبی تنقید شمار کیا جا سکتا ہے۔ ان تحریروں کو اگر الگ الگ کر کے دیکھا جائے تو اکیاون (51) مضامین اور تبصرے براہِ راست فکشن کی تنقید کے حوالے سے ہیں۔ فکشن کی تنقید پر اُردو میں لکھنے والے جن مصنفین کے مضامین 'آج' میں شائع ہو چکے ہیں اُن میں نیر مسعود، چودھری محمد نعیم، محمد سلیم الرحمٰن، اوپندر ناتھ اشک، محمد خالد اختر، فہمیدہ ریاض، شمس الحق عثمانی اور اجمل کمال شامل ہیں۔ علاوہ ازیں کچھ تنقیدی مضامین تراجم کے شکل میں بھی ہیں جن کے لکھنے والوں میں انطون شماس، پلینیو اپولیو میندوزا، ولیم رو، مائیکل وُڈ، ٹیڈ ہیوز، سگرڈ کاہلے، چینوا اچیبے، ہیومر سر کرٹلر اور نرمل ورما شامل ہیں۔ فکشن کے موضوع پر 'آج' میں شائع ہونے والا پہلا تنقیدی مضمون انطون شماس کا ہے جسے محمد عمر میمن نے انگریزی سے ترجمہ کیا اور حواشی بھی لکھے۔ یہ 'آج' کے شمارہ نمبر ۶ (سرما ۱۹۹۱ء) میں شائع ہوا۔ انطون شماس کی اصل پہچان عربی شاعری اور خاص طور پر مشرقِ وسطیٰ کے حالات پر لکھی جانے والی شاعری ہے لیکن اس کے ساتھ ہی پہلی دنیا میں اُن کی پہچان کا ایک بڑا حوالہ عبرانی زبان میں لکھا جانے والا ناول Arabesquot (مطبوعہ ۱۹۸۶ء) بنا (۶)۔ انطون شماس کے 'آج' کی زینت بننے والے مضمون کا عنوان 'عربی، عبرانی اور قصہ گو کی قمیص' ہے۔ اس نہایت عمدہ مضمون میں دنیا کی مختلف زبانوں میں قصہ گوئی کی روایت کے سیاق میں قرآن اور بائبل میں حضرت یوسفؑ کے قصے کا خصوصی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ دونوں مقدس کتب میں اس قصے کا فرق اور بالخصوص حضرت یوسفؑ کی قمیص سے

متعلق قصہ گوئی کی تکنیک کا استعمال بھی اس مضمون کا موضوع ہے۔ فکشن کی تنقید کے حوالے سے 'آج' کا شمارہ نمبرے بہت اہم ہے۔ یہ گابرئیل گارشیا مارکیز کے حوالے سے 'آج' کا خصوصی شمارہ ہے جو بہار ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔ اس میں مارکیز کی مختلف تحریروں کے تراجم تو شامل ہیں ہی لیکن ساتھ ہی ساتھ پلینیو اپولیو مینڈوزا، ولیم رو اور مائیکل وُڈ کے تین ایسے تنقیدی مضامین شامل ہیں جن میں مارکیز کی شخصیت اور فن کی مختلف جہات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ان تینوں مضامین میں سے مینڈوزا کا مضمون بعنوان 'گابرئیل' سب سے عمدہ ہے۔ مینڈوزا خود ایک معروف ناول نگار ہونے کے علاوہ مارکیز کا ہم وطن اور دوست بھی ہے۔ لاطینی امریکہ سے تعلق رکھنے والے یہ دونوں ادیب انقلابی فکر کے حامل تھے۔ مینڈوزا نے مارکیز کی شخصیت اور فن کے حوالے سے ہونے والی طویل دوستانہ گفتگو کو اپنی کتاب 'امرود کی مہک' (Fragrance of Guava) مطبوعہ ۱۹۸۳ء کی شکل میں مرتب کیا ہے (۷)۔ متذکرہ مضمون اسی کتاب میں سے پانچ مختلف ٹکڑوں پر مشتمل ہے جسے اجمل کمال نے اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ مینڈوزا نے اس مضمون میں مارکیز کے نجی حالات، ادبی سفر اور فن اور سیاست کے حوالے سے خیالات کو موضوع بنایا ہے۔ اس مضمون سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں جس میں مضمون نگار اور مارکیز دونوں نمایاں طور پر موجود ہیں اور مضمون کی معنوی قدر و قیمت کا اعلان بھی اس میں بھرپور انداز سے ہو رہا ہے:

> ''اکثر کہا جاتا ہے اور بجا طور پر، کہ لاطینی امریکہ کے اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ وجود رکھنے (to be) اور ملکیت رکھنے (to have) کے معنوں کو آپس میں گڈمڈ کر دیتے ہیں۔ آپ کس کی نمائندگی کرتے ہیں، یہ بات اس سے زیادہ اہم ہے کہ آپ دراصل خود کیا ہیں۔ جس روز گابرئیل اس قابل ہوا کہ اُن کی طرح اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں قیام کر سکے، اونچے ریستورانوں میں جھینگے کھا سکے، ان کی طرح بلکہ ان سے بہتر طور پر وائن کے درست درجہ حرارت اور پنیر کی مختلف قسموں کو پہچان سکے، نیویارک، پیرس اور لندن میں گھوم پھر سکے اور ممتاز نظر آ سکے، اس دن انھوں نے اپنے دروازے گابرئیل کے لیے وا کر دیے اور اس بات کو اپنا اعزاز جاننے لگے کہ اس نے اُن کی پیش کی ہوئی وسکی کو قبولیت بخشی اور یہاں تک کہ وہ ''تنہائی کے سو سال'' کے مصنف کے بائیں بازو کے خیالات اور فیدل کاسترو کے لیے اس کی حمایت کو بھی نظر انداز کرنے پر آمادہ ہو گئے۔''(۸)

مینڈوزا بتاتا ہے کہ مارکیز کی شخصیت میں ساحری کے عناصر موجود تھے اور اُس نے اپنی زندگی کے کئی فیصلے ایسے وجدانی کیفیت میں کیے جس کی کوئی عقلی توجیہہ پیش نہیں کی جا سکتی (۹)۔ مندوزا اپنے مضمون میں مارکیز کی تحریروں کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ اُن کی تحریروں میں طلسماتی خصوصیات پائی جاتی ہیں اور یہ کہ وہ فینٹسی کی مدد سے ان اُصول و ضوابط کو للکارتا ہے جو حقیقت کو قائم کرتے ہیں اور اسے باضابطہ رکھتے ہیں۔ 'آج' کا یہ شمارہ گابرئیل گارشیا مارکیز کی زندگی اور تحریروں میں دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لیے بہت اہم ہے اور بالخصوص اس میں شامل پلینو اپولیو مندوزا کا متذکرہ مضمون۔ اسی شمارے میں مارکیز کے مشہور ناول 'تنہائی کے سو سال' پر مائیکل وڈ کا

مضمون بھی نہایت دلچسپ ہے۔اس مضمون سے دو مختصر اقتباسات ملاحظہ کریں جس سے مائیکل وُڈ کے تجزیے کا انداز واضح ہو جاتا ہے:

''اس نے اپنے ناول کی شکل ان توہمات کی شکل پر ڈھالی ہے جو اس کا حصہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ ناول ناامیدی کا اظہار کرتا معلوم ہو سکتا ہے اور خود مصنف محض تشکیک، صبر اور مزاح کے ذریعے اپنا اظہار کرتا ہے لیکن یہ اظہار خواہ کتنا ہی دھیما معلوم ہوتا ہو، بے حد قابل لحاظ ہے، اور بجائے خود ایک آزادی ہے، اور ہمیں اس انتہائی پرکشش اور بظاہر ناگزیر دیومالا کو بیک وقت جاننے اور اس پر یقین نہ کرنے کا اختیار دیتا ہے۔''(۱۰)

''میں نے تنہائی کے سو سال میں کسی دفن شدہ پوشیدہ معانی کی کوئی جستجو نہیں کی۔ مجھے اس کی ضرورت ہی نہیں تھی، اس لیے کہ کتاب کے سطحی معانی ہی اس قدر فراواں اور متنوع اور بحث کو مہمیز دینے والے ہیں۔ بلاشبہ مارکیز کا اس قدر رسائی میں ہونا دراصل انتہائی غیر معمولی خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک پیچیدہ وژن کے نہایت سادہ اظہار پر مشتمل ہے...... میں نے تنہائی کے سو سال کے اڑتے ہوئے قالین میں کوئی شبیہ تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی، لیکن اس میں فتنہ انگیزی کے نمایاں ترین بنت کو جاننے کی کوشش ضرور کی ہے۔''(۱۱)

گابرئیل گارشیا مارکیز کو اُردو دنیا سے متعارف کرانے میں ''آج'' کے اس خصوصی شمارے کا بڑا اہم حصہ ہے۔ اس کے علاوہ مارکیز پر کچھ کتابیں مرتب ضرور ہوئی ہیں لیکن اس شمارے کے معیار تک کوئی نہیں پہنچتی۔

'آج' کا شمارہ نمبر ۱۵ فارسی کہانیوں کے انتخاب پر مشتمل ہے۔اس میں تیئس فارسی کہانیوں کے اُردو تراجم شامل کیے گئے ہیں جو اجمل کمال، نیر مسعود اور بذلِ حق محمود نے کیے ہیں۔فارسی افسانے کے تعارف کے حوالے سے اس شمارے میں اُن کا ایک تنقیدی مضمون 'فارسی کہانی۔ایک مختصر تعارف' کے عنوان سے آخری صفحات پر موجود ہے۔اس مضمون میں انھوں نے ایرانی ادب میں فکشن کی اہمیت اور صورت حال پر مختصر روشنی ڈالنے کے بعد پندرہ ایرانی افسانہ نگاروں کے حالاتِ زندگی اور فن پر الگ الگ روشنی ڈالی ہے۔ یہ مضمون بالعموم ایرانی ادب اور بالخصوص ایران میں لکھے گئے فارسی افسانے کے موضوعات اور اسالیب کو سمجھنے کے لیے بہت اہم ہے۔نیر مسعود کا ماننا ہے کہ ایرانی ادب میں خیالات کے اظہار اور مفہوم کی وضاحت کے قصہ کہانی سے کام لینے کی روایت زیادہ تر ہندوستان کی مرہونِ منت ہے۔شروع میں روایتی حکایتوں کا ایک دور چلتا رہا اور پھر بیسویں صدی کے آتے آتے روایتی حکایتوں کی جگہ نئے طرز کے مختصر افسانے نے لے لی(۱۲)۔وہ حقیقی زندگی میں نفسیاتی گتھیوں سے بھری ہوئی ایک غیر معتدل شخصیت اور خودکشی کے رسیا صادق ہدایت کو ایرانی فکشن کا سب سے بڑا نام قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ہدایت کے قلم رو میں پہنچ کر فارسی افسانے نے ایسے ایسے رُوپ اختیار کیے جن سے فارسی ادبیات کی رچی ہوئی روایت کا تربیت یافتہ ذہن مانوس نہیں تھا لیکن مانوس ہونے پر تیار تھا اور مانوس ہوا اور دیکھتے دیکھتے فارسی افسانے کا

اُفق وسیع ہونے لگا(۱۳)۔ نیر مسعود کے خیال میں اُردو اور فارسی افسانے میں سب سے بڑا فرق استعمال زبان کا ہے،ایرانی افسانہ نگار بول چال کی زبان اور عوامی تلفظ کو ہم سے بہت زیادہ بے تکلفی کے ساتھ تحریر میں لاتے ہیں، دوسرا یہ کہ فارسی افسانے پڑھتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ ایرانی افسانہ نگار ہماری نسبت فطرت کے زیادہ قریب ہیں(۱۴)۔ نیر مسعود اس مضمون میں صادق ہدایت کے بعد بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے اور کئی دفعہ ایرانی حکومت کی عائد کردہ پابندیوں کا سامنا کرنے والے افسانہ نگار بزرگ علوی پر لکھتے ہیں۔اُن کے بعد کی نسل سے نیر مسعود نے جلال آلِ احمد، غلام حسین ساعدی، غلام حسین نظری، سیمین دانشور اور محمود دلت آبادی کو زیادہ اہم گردانا ہے۔ یہ مضمون فارسی افسانے کی روایت کا عمدہ تعارفی جائزہ پیش کرتا ہے۔

اس کے بعد فکشن کی تنقید کے ضمن میں ایک اہم مضمون 'آج' کے شمارہ نمبر۲۰ میں '۱۹۵۰ء کے عشرے کا کراچی تھیٹر' کے عنوان سے چھپا اور اسے سویڈن سے تعلق رکھنے والی مصنفہ سگرڈ کاہلے نے ۳۰رنومبر سے ۳ردسمبر ۱۹۹۵ء تک اکادمی ادبیات اسلام آباد میں منعقدہ بین الاقوامی کانفرنس 'ادب، کلچر اور جمہوریت' میں پڑھا تھا۔نثری نظم کے معتبر شاعر ذیشان ساحل نے یہ مقالہ 'آج' کے لیے انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔سگرڈ کاہلے نے اس مضمون میں کراچی کی تہذیبی زندگی کے اُس دور کی یاد تازہ کی ہے جب وہ خود یہاں رہیں۔ یہ مضمون ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء کے درمیان کے کراچی کی مخصوص سیاسی اور تہذیبی فضا میں تھیٹر کے آغاز سے استحکام کی طرف سفر کی کہانی اور سنگِ میل سامنے لاتا ہے۔کاہلے لکھتی ہیں:

> ''میں ۱۹۵۲ء میں جوانی کے جوش اور ولولے اور خود اعتمادی سے بھرپور تیئس برس کی عورت کے طور پر کراچی آئی تھی اور یہاں تھیٹر کی تحریک کو پروان چڑھانے میں مدد دینے کا فیصلہ کیا۔ پاکستان کی عمر اس وقت صرف پانچ سال کی تھی۔ ہر چیز نوزائیدہ حالت میں تھی۔لاکھوں مسلمان ہندوستان سے اُمڈ آئے تھے۔میں نے اور میرے پاکستانی دوستوں نے سخت محنت کی اور آخر کار ایک طرح کی تھیٹر کی تحریک کو تشکیل دینے میں کامیاب ہوئے۔ہم نے ثقافتی اور تخلیقی انتشار کی کیفیت کے باوجود اُردو اور انگریزی میں کھیل اسٹیج کیے۔ یہ ایک نہایت دشوار کام تھا۔ پاکستان کے نئے دارالحکومت میں نہ تو کوئی باقاعدہ اسٹیج موجود تھا اور نہ تھیٹر کے آلات وغیرہ دستیاب تھے۔اسٹیج پر کام کرنے کے لیے لڑکیوں کو آمادہ کرنا (اور ان کے والدین سے اجازت لینا) بہت مشکل کام تھا۔کام میں ڈسپلن پیدا کرنا بھی آسان نہ تھا۔ میں غیر ملکی تھی، لیکن بہرحال اسے فراموش کر دیا گیا تھا۔کراچی میں میرے پانچ سالہ قیام کے دوران ہم نے بہت سے ڈرامے کیے اور میرا خیال ہے خاصی عمدگی سے، اور ہم سب مل جل کر تھیٹر کو کراچی کے ثقافتی نقشے پر لے آئے۔ ہماری سب سے کامیاب پیش کش مرحوم ڈراما نگار اور استاد خواجہ معین الدین کا کھیل 'لال قلعے میں لالوکھیت' تھا''(۱۵)

کاہلے بتاتی ہیں کہ خواجہ معین الدین نے سیاسی رنگ آمیزی سے بھرپور ڈرامے لکھے۔اس مضمون میں انھوں

نے خواجہ معین الدین کی ڈراما نگاری کا خصوصی تجزیہ پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ خواجہ معین الدین جمہوریت کی رگوں میں دوڑنے والے خون کی طرح جو چاہتے وہی لکھتے تھے۔انھوں نے اپنے ڈراموں کے ذریعے عوامی اور نجی زندگی کے تضادات کو کھولا اور چاہا کہ امن اور ہم آہنگی کی دنیا تخلیق کرسکیں۔

'آج' کے شمارہ نمبر ۲۶ میں اُردو کے پہلے ناول نگار مولوی نذیر احمد پر ایک مضمون شائع ہوا۔ یہ 'آج' میں شائع ہونے والی تمام ادبی تنقید میں سے چند اہم ترین مضامین میں سے ایک سمجھا جاسکتا۔ یہ امریکہ میں کئی عشروں سے مقیم بھارتی نژاد محقق اور نقاد چودھری محمد نعیم (جو پروفیسر سی ایم نعیم کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں اور شکاگو یونیورسٹی امریکہ میں تمام عمر تدریس کے پیشے سے منسلک رہے) کا مضمون بعنوان ''نذیر احمد کا انعامی ادب'' ہے جس کا موضوع مولوی نذیر احمد کے ایک ہی سلسلے اور فکر کے حامل تین ناول مراۃ العروس، بنات النعش اور توبۃ النصوح ہیں۔ یہ مضمون مختلف تحقیقی حوالوں کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔ چودھری محمد نعیم نذیر احمد کے متذکرہ بالا ناولوں کو'ناول' کہنے کی بجائے 'کتب' کہنا مناسب سمجھتے ہیں اور وہ بتاتے ہیں کہ اُردو داں مسلم سماج کی متعدد نسلوں پر ان کتب نے جو اثر ڈالا اس کی مثال کم ہی ملتی ہے، اس ضمن میں انھوں نے ان تینوں کا گلستانِ سعدی، اخلاقِ ناصری اور قابوس نامہ سے موازنہ بھی کیا ہے اور پھر بہشتی زیور کو بھی اس تقابلی مطالعہ میں حوالے کے طور پر زیرِ بحث لائے ہیں۔ چودھری محمد نعیم کا خیال ہے کہ نذیر احمد کے ذہن میں سوسائٹی کی درجہ بندی ایک فطری چیز تھی اور ان کے فکر کا موضوع محض شریف خاندان تھے۔مزید لکھتے ہیں:

> ''نذیر احمد کے انعامی ناول کامیابی کی کہانیاں ہیں اور اس طرح کی کامیابی کی کہانیاں جو ہندوستانی مسلمان غدر کی ناکامیابی اور اپنے دنیاوی اقتدار کی تمام علامتوں کی شکست کے بعد سننا چاہتے ہیں...... یہ ناول ادب الاداب کی وہ تصانیف ہیں جن کی ضرورت اس وقت کے حاکم اور محکوم دونوں کو تھی۔''(۱۶)

نذیر احمد کے ان ناولوں کو سرکار کی طرف سے انعام بھی ملا۔ چودھری محمد نعیم کا یہ مضمون نذیر احمد کے ناولوں کا ایک منفرد زاویے سے تنقیدی جائزہ ہے۔مضمون کا جو عنوان قائم کیا گیا ہے اسی سے متذکرہ زاویے کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد 'آج' کا شمارہ نمبر ۳۳ ہمارے موضوع کے اعتبار سے اہم ہے جس میں پولینڈ میں پیدا ہونے والے انگریزی زبان کے معروف کہانی کار جوزف کونریڈ کے حوالے سے ایک خصوصی گوشہ ترتیب دیا گیا ہے۔اس میں جوزف کونریڈ کے معروف ناول Hearth of Darkness قلبِ ظلمات کے پہلے اور دوسرے حصے سے دو طویل اقتباسات کا ترجمہ [مترجم: محمد سلیم الرحمٰن] اور اس ناول پر تین تنقیدی تبصرے شامل ہیں۔تبصروں میں سے پہلی تحریر معروف افریقی ناول نگار چینوا اچیبے کی ہے جس میں بارے میں اجمل کمال بتاتے ہیں کہ قلبِ ظلمات پر شاید سب سے زیادہ تنقید چینوا اچیبے نے ہی کی ہے اور کونریڈ کو ''پکا نسل پرست'' قرار دیا ہے(۱۷)۔ چینوا اچیبے کا یہ

تبصرہ تینوں تبصروں میں سے اس لیے سب سے زیادہ اہم ہے کہ وہ خود افریقہ سے تعلق رکھتا ہے جس کی فضا اس ناول کے پلاٹ کی بنیاد ہے۔ اچیبے اپنے تبصرے بعنوان 'افریقہ کا تصور' میں لکھتا ہے کہ قلبِ ظلمات میں افریقوں کی جانب فرضی راوی مارلو کے نسل پرستانہ رویے کی اگرچہ کونریڈ تائید نہیں کررہا بلکہ اس کو طنز اور تنقید کا ہدف بنا رہا ہے لیکن ناول نگار اپنے اور مارلو کو لاحق اخلاقی اور نفسیاتی عارضے کے مابین حفاظتی حصار کھینچنے کی کوشش میں ناکام رہتا ہے کیونکہ وہ کوئی ایسا متبادل زاویۂ نظر نہیں دیتا جس کی روشنی میں ناول کے کرداروں کی رایوں اور اعمال کو پرکھا جا سکے ،اچیبے کو یہ یقین ہے کہ کونریڈ چاہتا اور ضروری سمجھتا تو ایک مختلف زاویۂ نظر دے کر اپنے اور مارلو کے بیچ تفاوت واضح کر سکتا تھا لیکن ایسا نہ کرنا معمولی سی ہچکچاہٹ کے ساتھ مارلو کی تائید کرنے کے مماثل ہے(۱۸)۔اچیبے کے اعتراضات کا جواب برطانوی نقاد ہیومر سر کرٹلر نے دیا ہے۔اُن کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ [مترجم:اجمل کمال] ایک مضمون 'قلبِ ظلمات میں نسل پرستی اور عظمت' کے عنوان سے اسی شمارے میں شامل ہے۔تیسرا مضمون بعنوان 'تمام یورپ نے کرٹز کی تخلیق میں ہاتھ بٹایا تھا' اُردو کے معتبر ادیب اور مترجم محمد سلیم الرحمٰن کا ہے۔اُن کا موقف ہے کہ اس ناول کی تفہیم میں خرابی کی اصل بنا یہ ہے کہ اسے افریقہ سے متعلق سمجھ لیا گیا ہے جبکہ یہ افریقہ میں آنے والے اُن یورپینز کے بارے میں ہے جنھیں اپنے ملکوں میں مہذب کہلانے کی وجہ سے اپنے اندر کی تمام خباثتوں،منتقم مزاجی،محرومیوں،نفسیاتی الجھنوں اور لوٹ مار کی ہوس اور قتل و غارت اور ظلم کے ایسے مواقع نہیں ملتے جیسے افریقہ میں ملے اور ان کے اندر کا اصل انسان سامنے آ گیا(۱۹)۔ یہ یقیناً ایک دلچسپ اور اہم نکتہ ہے جو قلبِ ظلمات کو پڑھنے اور سمجھنے کا منفرد زاویہ مہیا کرتا ہے۔

اس کے بعد شمارہ نمبر۴۴ (مطبوعہ: جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء) جو ہندی زبان کے معروف ادیب نرمل ورما کے حوالے سے خصوصی شمارہ ہے میں شامل ایک مضمون بعنوان ''راب گرییئے کے ساتھ ایک شام''بھی 'آج' کی فکشن تنقید کا حصہ شمار ہوگا۔اسے اجمل کمال نے ہندی سے اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ کوئی باقاعدہ تنقیدی مضمون نہیں بلکہ فکشن اور بالخصوص ناول کے فن اور مغربی ناول کی روایت کے حوالے سے فرانسیسی ناول نگار راب گرییئے کے اُن چند تاثرات پر مشتمل ہے جنھیں نرمل ورما نے پراگ میں ایک لیکچر کے دوران سنا اور رپورٹ کے انداز میں اس مضمون کا حصہ بنا دیا۔اسی طرح کا ایک اور مضمون جو راجندر سنگھ بیدی کے بہت قریبی ساتھی اوپندر ناتھ اشک کا لکھا ہوا ہے 'آج' کے شمارہ نمبر ۴۷ (مطبوعہ: جنوری ۲۰۰۵ء) میں شائع ہوا۔اسے ایک فکشن نگار کی زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کے بعد ایک دوسرے فکشن نگار کا محبت و عقیدت نامہ کہا جا سکتا۔ یہ مضمون ''راجندر سنگھ بیدی کی زندگی کا آخری باب' کے عنوان سے شاہد ندیم نے ہندی سے اُردو میں ترجمہ کیا۔یہی مضمون 'ایک حساس کہانی کار کی ٹریجک داستان' کے عنوان سے احمد زین الدین کی مرتبہ کتاب بیدی: میرا ہمدم میرا دوست (مطبوعہ: زین پبلی کیشنز،کراچی، مارچ ۲۰۱۳ء) میں بھی شامل ہے۔اس کتاب پر مترجم کا نام مشتاق اعظمی درج ہے اور متذکرہ مضمون کے حوالے سے کہیں بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ شاہد ندیم کا ترجمہ ہے۔ بہرکیف یہ مضمون راجندر سنگھ بیدی کی نجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو

موضوع بناتا ہے اور بالخصوص فلمی دنیا میں بیدی کے شب و روز، مختلف خواتین سے تعلقات اور زندگی کے کربناک دور کا باب ایسا دلچسپ ہے کہ اوپندر ناتھ اشک جیسا نہایت قریبی ساتھی ہی وہ تحریر کر سکتا تھا۔

'آج' کا شمارہ نمبر۵۲ محمد خالد اختر کی تحریروں کے حوالے سے خصوصی شمارہ ہے جو فروری ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا۔ محمد خالد اختر کے اس میں شامل سات تنقیدی مضامین میں سے تین مضامین فکشن کی تنقید کی ذیل میں آتے ہیں۔ پہلا مضمون 'سعادت حسن منٹو' کے عنوان سے ہے جس میں منٹو کی شخصیت اور فن کے مختلف پہلوؤں کو تین حصوں میں بیان کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ آرٹسٹ منٹو، دوسرا انسان منٹو اور تیسرا اس کے حوالے سے ایک محبت نامے پر مشتمل ہے۔ یہ مضمون پہلی دفعہ 'فنون' کے جنوری ۱۹۶۴ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ دوسرا مضمون بعنوان 'دائیں طرف یا بائیں طرف' کے عنوان سے کرشن چندر کی شخصیت اور افسانہ نگاری پر ہے اور یہ بھی 'آج' میں شائع ہونے سے پہلے 'فنون' کے اکتوبر ۱۹۶۵ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ خالد اختر نے اس مضمون میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جوں جوں کرشن چندر بائیں بازو کی آئیڈیالوجی اور سیاست کے دامن میں گرتا چلا گیا توں توں اُس کی افسانوی کائنات مدھم پڑھتی چلی گئی۔ تیسرا مضمون 'ایک آدمی' احمد شاہ نامی' کے عنوان سے ہے جس میں احمد ندیم قاسمی اور خالد اختر کے بہاول پور سے شروع ہونے والے دوستانہ تعلق سے لے کر ادبی دنیا میں احمد شاہ سے احمد ندیم قاسمی بننے تک کی داستان باکمال ادبی پیرایے میں بیان کی گئی ہے۔ یہ مضمون پہلی دفعہ جنوری فروری ۱۹۷۵ء میں 'افکار' کراچی کے ندیم نمبر میں شائع ہوا اور اُردو میں ندیم شناسی کا اہم ترین حوالہ بن گیا۔ 'آج' کے متذکرہ خصوصی شمارے میں محمد خالد اختر کے مختلف ناولوں، افسانوی مجموعوں اور ڈراموں وغیرہ پر عمدہ تنقیدی تبصرے بھی شامل ہیں جن کی تفصیل اشاریے میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ یہ تبصرے 'آج' سے پہلے 'فنون' میں مختلف اوقات میں شائع ہو چکے ہیں۔ بعض تبصرے تو پورے پورے تنقیدی مضامین ہیں جن میں باقاعدہ مثالوں کے ساتھ فن پارے کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ خالد اختر نے تبصرے کا روایتی انداز اختیار کرنے کی بجائے اپنے اندر کے تخلیق کار اور نقاد کو ایک ساتھ متحرک رکھا ہے۔ انھوں نے جن کتب پر بھی لکھا گہرے مطالعے اور معاصر لٹریچر کے ساتھ موازنے کے بعد اس پر اپنا ایک نقطۂ نظر اور بے باک تجزیہ پیش کیا جسے کچھ مصنفین نے برا بھی منایا۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

> ''وہ [عبداللہ حسین] مس حیدر کے اسلوب اور ان کے اونچے ہندوستانی طبقے کے مرقعوں سے گہرے طور پر متاثر ہوئے ہیں۔ اس حد تک کہ اداس نسلیں کے باب کے بابمیرے بھی صنم خانے کی کامیاب پیروڈی کے طور پر پڑھے جاسکتے ہیں اور سیدھے مس حیدر کے شہرۂ آفاق ناول میں سے اٹھائے ہوئے لگتے ہیں۔'' (۲۰)

> ''حال ہی میں مجھے اے حمید کا نیا ناول پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ غالبًا اس کا نام پیپل والی گلی تھا۔ کہانی تو مجھے تھوڑی بہت ہی یاد ہے مگر جیسی کچھ بھی وہ تھی، مصنف کا جنسی شعور ہر تیسرے چوتھے صفحے پر تابانی سے بیدار ہوتا تھا اور مناسب موقعوں پر جنسی قلابازیوں کے پُرتفصیل احوال تھے۔'' (۲۱)

''میں نے اسے [دستک نہ دو کو] ایک دفعہ جی کڑا کر کے پڑھنے کی کوشش کی اور پہلے دو ابواب کے بعد تحریر کی یبوست سے اکتا کر اسے رکھ دینے پر مجبور ہو گیا۔ یقیناً محترمہ اے آر خاتون بڑی قابلِ قدر خاتون تھیں لیکن انھوں نے ایک عام سا مثالی 'خواتینی' ناول لکھا تھا، اور یہ ایک بُرا ناول ہے۔(ایکسکیوزمی لیڈیز!)''(۲۲)

''[بانو قدسیہ] کے اس مجموعے [بازگشت] میں دو تین کہانیاں اول درجے کی ہیں اور میں ان کو پورے نمبر دوں گا۔ 'دانت کا دستہ' بلاشبہ اپنے مشاہدے کی باریک بینی، بیان کی روانی اور ذکاوت اور طنز کی لطافت کے لحاظ سے ہماری زبان کی بہترین کہانیوں میں جگہ پانے کی مستحق ہے۔''گڈریا'' کو چھوڑ کر (جس کو میں نے تین بار پڑھا ہے اور میرے مرحوم باپ نے بیسیوں بار پڑھا تھا) میں نہیں سمجھتا کہ اشفاق احمد نے اپنی بیوی کی اس کہانی سے بڑھ کر کوئی چیز لکھی ہو۔''(۲۳)

'آج' کے اس شمارے کا آخری حصہ ضمیمہ کے عنوان سے ہے جس میں محمد خالد اختر کے ناولوں چاکیواڑہ میں وصال پر ابنِ انشا اور کھویا ہوا اُفق پر محمد کاظم کا عمدہ تبصرہ شامل ہے۔اسی طرح اُداس نسلیں پر محمد خالد اختر کے تبصرے پر فہمیدہ ریاض کا تبصرہ بھی اس میں شامل ہے۔مجموعی طور پر دیکھا جائے تو 'آج' کا شمارہ صرف محمد خالد اختر کے حوالے سے ہی نہیں بلکہ اُردو فکشن اور فکشن نگاروں پر تنقید کے حوالے سے بھی خصوصی شمارہ ہے۔

اس کے بعد 'آج' کا شمارہ نمبر ۶۲ ہے جس میں فکشن کے حوالے سے معروف نقاد اور افسانہ نگار نیر مسعود کے سات تنقیدی مضامین رتبصرے شائع ہوئے۔ یہ تحریریں تنقیدی اور تحقیقی دونوں حوالوں سے اہم ہیں خاص طور پر مضمون بعنوان 'کافکا'، 'رجب علی بیگ سرور کے نثری اسالیب' اور 'ناول کی روایتی تنقید'۔اول الذکر مضمون میں انھوں نے فرانز کافکا کے حالاتِ زندگی اور افسانوی کائنات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے کافکا کی کہانیوں 'قلبِ ماہیت' اور 'فیصلہ' کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔دوسرے مضمون میں گلزارِ سرور، شبستانِ سرور، فسانۂ عجائب اور فسانۂ عبرت کی نثر کا اسلوبی مطالعہ موجود ہے، اس مضمون میں نیر مسعود نے فسانۂ عبرت کو سرور کی تمام کتب میں سے زیادہ جاندار اور بہترین نثر کا نمونہ قرار دیا ہے۔'ناول کی روایتی تنقید' میں مراۃ العروس سے امراؤ جان ادا تک کئی معروف اور غیر معروف ناولوں کی روایتی تنقید کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ نیر مسعود بتاتے ہیں کہ ناول پر روایتی تنقید کی ابتدا مراۃ العروس پر ایم کیمپسن (اُس وقت کے ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن، ممالک شمال مغرب) کے تبصرے سے ہوتی ہے اور ناول کی تنقید کے حوالے سے اولین مستند کتاب نواب عاشق الدولہ کی تنقید القصص ہے۔اس مضمون میں انھوں نے اس کتاب کا تفصیلی تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔

'آج' کا شمارہ نمبر ۶۶ ہندی کہانی کار وبھوتی نرائن رائے کے ایک ناول تبادلہ اور خالد طور کے ناولٹ مرچی کے علاوہ شمس الحق عثمانی کے طویل تنقیدی رتجزیاتی مضمون بعنوان 'ابوالفضل صدیقی کی کہانیاں: فہم و نظر کا اسمبلاژ' پر مشتمل ہے۔اس مضمون کو شمس الحق عثمانی نے اسمبلاژ کہا ہے کیونکہ اس میں ابوالفضل صدیقی کی کہانیوں کے

مجموعوں آئینہ،انصاف اور جوالا مکھمیں سے بہت سے اقتباسات ،اُن کا موضوعاتی مطالعہ اور فنی جائزہ پیش کر کے ابوالفضل صدیقی کی افسانوی کائنات کی تین سمتی (تھری ڈی) رنگارنگ تصویر بنانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ قارئین کو اپنی پڑھت اور تعبیر کے عمل کا حصہ بنایا جا سکے۔اجمل کمال کے خیال میں مضمون نگار نے ابوالفضل صدیقی کی کہانیوں کے اسلوب،کرداروں،موضوعات اور سماجی تانے بانے کی پرتیں کھولی ہیں اور اس مضمون کے مطالعے کے بعد پڑھنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد کے ایک بامعنی ادیب کی دنیا سے،اور اس کے توسط سے خود اپنے اردگرد کی دنیا سے،زیادہ بہتر طور پر واقف ہو گیا ہے(۲۴)۔

شمارہ نمبر ۸۸ میں فکشن پر تنقید کے حوالے سے دو مضامین شامل ہیں۔ پہلا مضمون وبھوتی نرائن رائے کے ۱۹۸۳ء میں شائع ہونے والے پہلے ہندی ناول گھر جسے زیبا علوی نے اُردو میں ترجمہ کیا،کا تنقیدی جائزہ ہے۔ یہ مضمون 'وبھوتی نرائن رائے کا گھر' کے عنوان سے فہمیدہ ریاض کا لکھا ہوا ہے۔فہمیدہ ریاض خود اُردو کے نامور شاعرہ اور کہانی کار ہونے کے علاوہ وبھوتی نرائن رائے کے ہی دیس یو۔پی سے ہیں۔انھوں نے ضیاءالحق کے دورِ آمریت میں سات سال کی خودساختہ جلاوطنی کا زمانہ بھی ہندوستان میں گزارا اس لیے وہاں کے گھروں کی دل سوز کہانیاں انھیں بالکل اپنی لگتی ہیں۔ وبھوتی نرائن رائے کے متذکرہ ناول میں متوسط طبقے کے تیزی سے نیچے گرتے ہوئے گھرانے اور خاندانی نظام کو موضوع بنایا گیا ہے۔فہمیدہ ریاض نے اس ناول کا موازنہ فرانسیسی ادیب پال نزان کے ناول 'سازش' سے کیا ہے اور دونوں کی فضا اور موضوع میں مشابہت کو بھی زیرِ بحث لائی ہیں۔اُن کا خیال ہے کہ اس ناول میں سماجی حقیقت نگاری تو وہی روایتی ہے جو پریم چند سے چلی آ رہی ہے لیکن بیانیہ پڑھنے والے کے لیے ایک گہرا جذباتی اور فکری تجربہ بن جاتا ہے(۲۵)۔دوسرا مضمون چودھری محمد نعیم کا بعنوان 'بہرام کا خالق:ظفر عمر (بی اے علیگ)' ہے جس میں یوپی سے تعلق رکھنے والے ادیب،مترجم اور ناول نگار ظفر عمر کا تعارف پیش کرنے کے بعد اُن کے ناولوں نیلی چھتری (۱۹۱۶ء)،بہرام کی گرفتاری (۱۹۱۹ء) اور لال کٹھور (۱۹۲۹ء) کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ تینوں ناول دراصل ظفر عمر کے تخلیقی تراجم یا تالیفی ناول ہیں اور ان کی اصل فرانسیسی کہانی کار ماسیو لبلاں کے دو ناول The Hollow Needle اور 813 اور ایڈگر والیس کا ناول The Three Just Men ہے۔ظفر عمر نے ان ناولوں میں لبلاں کے کردار لوپین کو بہرام (راجہ مہراب جنگ) کی شکل میں ہندوستانی رُوپ پہنایا ہے۔ چودھری محمد نعیم کا مضمون ظفر عمر کی تخلیقی صلاحیتوں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان ناولوں کا بھرپور تجزیاتی مطالعہ بھی ہے۔ابنِ صفی کے سرّی ناولوں میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ مضمون اُردو کے متذکرہ ابتدائی سرّی ناولوں کو پڑھنے پر اکساتا ہے۔

اس کے بعد شمارہ نمبر ۹۱ میں 'آج' کے مدیر اجمل کمال کے وہ دس تنقیدی مضامین شائع ہوئے جو بعد میں الگ کتاب کی صورت میں اچھی اُردو بھی کیا بری شے ہے کے عنوان سے منظرِ عام پر آئے۔ان میں سے ایک مضمون بعنوان 'منٹو اور اُردو تنقید' منٹو اور اُس کی کہانی کے حوالے سے اجمل کمال کے اپنے نقطۂ نظر اور منٹو کے ناقدین کے

نقطۂ نظر دونوں کا عمدہ تنقیدی مطالعہ ہے۔ یہ مضمون دو حصوں میں ہے اور دوسرا حصہ جو ہندوستانی ادیب اور نقاد اسلم پرویز کی منٹو کے حوالے سے زیرِ ترتیب کتاب کے لیے لکھا جانا تھا ہی پہلے حصے کی تحریر کا محرک بنا اور یوں آج عمدہ تنقیدی مضمون 'آج' کے قارئین کے لیے منظرِ عام پر آیا۔ یہاں یہ واضح کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ اُردو فکشن کی تنقید کے حوالے سے 'آج' کے اب تک شائع ہو چکے ۱۰۰ شماروں میں شمارہ نمبر ۹۱ کا متذکرہ مضمون آخری تھا۔ اجمل کمال نے تقسیمِ ہند سے پہلے اور بعد میں منٹو کی معنویت کو روایتی انداز سے ہٹ کر بیان کیا ہے اور منٹو کی تخلیقی کائنات کی سب سے بڑی خوبی منافقت کی پردہ چاکی اور اسلوب میں جرأتِ اظہار کو قرار دیا ہے جبکہ اُس پر لکھی جانے والی تنقید کو لیفٹ اور رائیٹ کی اپنی کھینچا تانی کا نوحہ سمجھا ہے۔ ان کے مضمون سے دو مختصر اقتباسات ملاحظہ کریں:

> ''بدلے ہوئے حالات میں برصغیر کے روایتی مسلمان معاشرے کی مروج اقدار کی فرسودگی، منافقت اور بربریت کو واضح کر کے دکھانے کے معاملے میں منٹو نے کسی ابہام یا عذر خواہی کو قریب نہیں پھٹکنے دیا۔ سیاسی اعتبار سے بھی منٹو کا نقطۂ نظر مسلمان شرفا سے مختلف رہا جو ڈپٹی نذیر احمد اور سرسید سے لے کر اقبال تک نو آبادیاتی حکومت سے بنا کر رکھنے اور اس کے خلاف چلنے والی آزادی پسند تحریکوں سے الگ تھلگ رہنے کی تلقین کرتے آئے تھے۔''(۲۶)

> ''ممتاز شیریں اور عسکری کا بول بالا (اور مخالف گروہ کا منھ کالا) کرنے کی کوشش کرنا اُردو ادبی تنقید کی مخصوص سیاست کا حصہ رہا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ پڑھنے والوں پر اس سیاست سے دلچسپی لینا فرض ہے۔ اس قسم کی بحث میں منٹو کی تحریروں کے متن اور معنی سے اتنا سروکار نہیں رکھا جاتا جتنا ان لاجواب نظریوں سے جو ممتاز شیریں اور عسکری نے (یا مخالف کیمپ کے نقادوں نے) اپنی اپنی پتنگ اڑانے کے لیے ایجاد کیے۔''(۲۷)

سہ ماہی 'آج' میں گو کہ فکشن پر تنقید کے ضمن میں بہت زیادہ تحریریں شائع نہیں ہوئیں لیکن اس کے ہم عصر ادبی رسائل کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو بہر کیف 'آج' کا حصہ خاطر خواہ ہے۔ خاص طور پر اگر تنقید کے معیار کو مدِ نظر رکھیں تو 'آج' میں شائع ہونے والے مضامین میں اُردو فکشن کے ساتھ ساتھ عالمی فکشن پر بھی نہایت معیاری تنقید قارئین کو پڑھنے کے لیے ملی ہے۔ اس رسالے کی اصل پہچان چونکہ عالمی زبانوں کی عمدہ تخلیقات کے اُردو تراجم کے حوالے سے ہے اس لیے عام طور پر بہت سے محققین کے علم میں نہیں ہوتا کہ اس رسالے میں ادبی تنقید کے ضمن میں بھی بہت معیاری تحریریں چھپی ہیں۔ 'آج' میں اُردو فکشن اور دوسری زبانوں کے فکشن پر چھپنے والی تنقید میں ضرور ایک انفرادی آہنگ محسوس ہوتا ہے جس کی وجہ اجمل کمال کے انتخاب کے کڑے معیارات ہیں۔ اُن کی کوشش رہی کہ 'آج' کے قارئین تک تنقید بھی ایسی پہنچے جس میں تخلیقیت ہو اور جس میں ریڈ ایبلٹی کی خصوصیت پائی جائے نہ کہ ایسی جس کی بوجھل زبان اور مشکل اصطلاحات سے 'آج' کا عام قاری دُور بھاگے اور وہ بطور مدیر اپنی اس کوشش میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

اشاریہ:

بہ اعتبارِ اسمائے مصنفین ایک اشاریہ ملاحظہ کریں جو فکشن کے مختلف موضوعات پر تحقیق کرنے والے طالب علموں کی اپنے موضوع سے متعلق 'آج' میں چھپنے والی تنقید تک رسائی آسان بنا سکتا ہے:

ابن انشاء	---	چا کیواڑہ میں وصال، شمارہ ۵۲، ۲۰۰۵ء، ص ۵۱۸
اجمل کمال	---	منٹو اور اُردو تنقید، شمارہ ۹۱، اگست ۲۰۱۵ء، ص ۱۳۶
اچیبے، چینوا	---	افریقہ کا تصور، شمارہ ۳۳، مارچ ۲۰۰۱ء، ص ۱۸۰
اشک، اوپندر ناتھ	---	راجندر سنگھ بیدی کی زندگی کا آخری باب، شمارہ ۴۷، ۲۰۰۵ء، ص ۲۳۷
خالد اختر، محمد	---	سعادت حسن منٹو، شمارہ ۵۲، ۲۰۰۵ء، ص ۳۱
خالد اختر، محمد	---	دائیں طرف بائیں طرف، شمارہ ۵۲، ۲۰۰۵ء، ص ۵۲
خالد اختر، محمد	---	ایک آدمی احمد شاہ نامی، شمارہ ۵۲، ۲۰۰۵ء، ص ۶۱
خالد اختر، محمد	---	انسان، شمارہ ۵۲، ۲۰۰۵ء، ص ۱۱۵
خالد اختر، محمد	---	اُداس نسلیں، شمارہ ۵۲، ۲۰۰۵ء، ص ۱۲۲
خالد اختر، محمد	---	چلے دن بہار کے، شمارہ ۵۲، ۲۰۰۵ء، ص ۱۴۸
خالد اختر، محمد	---	کہتے ہیں جس کو عشق، شمارہ ۵۲، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۰
خالد اختر، محمد	---	دستک نہ دو، شمارہ ۵۲، ۲۰۰۵ء، ص ۱۷۸
خالد اختر، محمد	---	آتش رفتہ، شمارہ ۵۲، ۲۰۰۵ء، ص ۱۸۴
خالد اختر، محمد	---	دیواریں، شمارہ ۵۲، ۲۰۰۵ء، ص ۱۹۱
خالد اختر، محمد	---	نئے ناولوں کی کھیپ، شمارہ ۵۲، ۲۰۰۵ء، ص ۱۹۹

خالداختر،محمد	---	رگِ سنگ،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص ۲۰۸
خالداختر،محمد	---	کرنافلی،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص۲۱۱
خالداختر،محمد	---	حسرت عرض تمنا،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص۲۱۶
خالداختر،محمد	---	بازگشت،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص ۲۲۸
خالداختر،محمد	---	روہی،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص۲۳۲
خالداختر،محمد	---	لمحے کی بات،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص۲۳۳
خالداختر،محمد	---	جنگل،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص ۲۵۷
خالداختر،محمد	---	اپنااپنا جہنم،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص ۲۶۸
خالداختر،محمد	---	کپاس کا پھول،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص۲۸۱
خالداختر،محمد	---	فاختہ،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص۲۹۱
خالداختر،محمد	---	تین بہنیں،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص۲۹۶
خالداختر،محمد	---	پکھیرو،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص۳۱۰
خالداختر،محمد	---	کھوئی ہوئی شام،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص۳۱۴
خالداختر،محمد	---	بستی،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص۳۱۹
رو،ولیم	---	گابرئیل گارسیامارکیز،شمارہ۷،اپریل۱۹۹۱ء،ص۴۳۱
سلیم الرحمٰن،محمد	---	تمام یورپ نے کرٹز کی تخلیق میں ہاتھ بٹایا تھا،شمارہ۳۳،مارچ۲۰۰۱ء،ص۲۱۱
شماس،انطون	---	عربی،عبرانی اور قصہ گو کی قمیص،شمارہ۶،دسمبر۱۹۹۰ء،ص۹۰
صلاح الدین اکبر	---	تبصرے پر تبصرہ،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص۵۳۰

عثمانی،شمس الحق	---	ابوالفضل صدیقی کی کہانیاں (فہم ونظر کا اسمبلا ژ)،شمارہ ٦٦،فروری۲۰۱۰ئص ۲۹۵
فہمیدہ ریاض	---	اُداس نسلیں کے تبصرے پر تبصرہ،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص۵۳۴
فہمیدہ ریاض	---	وبھوتی نرائن کا ’گھر‘،شمارہ۸۸،اپریل ۲۰۱۵ء،ص۱۰۱
کاملے،سگرڈ	---	۱۹۵۰ء کے عشرے کا کراچی تھیٹر،شمارہ۲۰،دسمبر۱۹۹۵ء،ص۳۶۲
کرٹلر،ہیومرسر	---	’قلب ظلمات‘ میں نسل پرستی اور عظمت،شمارہ۳۳،مارچ۲۰۰۱ء،ص۱۹۶
محمد کاظم	---	کھویا ہوا اُفق،شمارہ۵۲،۲۰۰۵ء،ص۵۲۱
محمد نعیم،چودھری	---	نذیر احمد کا انعامی ادب،شمارہ۲٦،جون ۱۹۹۸ء،ص۲۱۷
محمد نعیم،چودھری	---	’بہرام‘ کا خالق ظفر عمر (بی اے علیگ)،شمارہ۸۸،اپریل ۲۰۱۵ء،ص۱۳۲
مندوزا،پلینیو اپولینیو	---	گابرئیل گارسیا مارکیز،شمارہ۷،اپریل۱۹۹۱ء ص۹
نیر مسعود	---	فارسی کہانی: ایک مختصر تعارف،شمارہ۱۵،جون۱۹۹۴ء،ص۲۴۹
نیر مسعود	---	کافکا،شمارہ٦۲،مارچ۲۰۰۹ء،ص۸
نیر مسعود	---	رجب علی بیگ سرور کے نثری اسالیب،شمارہ٦۲،مارچ۲۰۰۹ء،ص۱۲۵
نیر مسعود	---	توبۃ النصوح منظوم،شمارہ٦۲،مارچ۲۰۰۹ء،ص۱۳٦
نیر مسعود	---	خوفناک دُنیا،شمارہ٦۲،مارچ۲۰۰۹ء،ص۱۷۴
نیر مسعود	---	فسانۂ عجائب مرتبہ رشید حسن خان،شمارہ٦۲،مارچ۲۰۰۹ء،ص۲۱۴
نیر مسعود	---	ناول کی روایتی تنقید،شمارہ٦۲،مارچ۲۰۰۹ء،ص۲۱۹
وڈ،مائیکل	---	تنہائی کے سو سال،شمارہ۷،اپریل۱۹۹۱ء،ص۴۴۲
ورما،نرمل	---	راب گرییئے کے ساتھ ایک شام،شمارہ۴۴،مارچ۲۰۰۴ء ص۴۸۹

حواشی:

۱۔ اجمل کمال کراچی میں ۲۸ رمارچ ۱۹۵۸ءکو پیدا ہوئے۔اُن کا تعلق مظفر نگر (سہارن پور) کی صدیقی فیملی سے ہے جو قیام پاکستان کے بعد کراچی آ گئی۔اجمل کمال کے والد بینک میں ملازم تھے سومختلف علاقوں میں اس ملازمت کے سلسلے میں تعیناتی رہی۔اجمل کمال کے بچپن اورلڑکپن کا زیادہ عرصہ لاہور، گجرات، گجرانوالہ، سانگھڑ،شہداد پوراور حیدرآباد میں گزرا اور ابتدائی تعلیم کے مراحل بھی انھی شہروں میں طے ہوئے۔فیملی کا عمومی فکری رجحان مذہبی اور تبلیغی تھا لیکن اجمل کمال شروع سے ہی ذرامختلف زاویۂ فکر کے حامل تھے۔ثانوی درجے کی تعلیم کے لیے علامہ اقبال ہائی سکول حیدرآباد میں داخل ہوئے جہاں سے ۱۹۷۲ء میں میٹرک کیا۔۱۹۷۴ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان کنٹونمنٹ کالج حیدرآباد سے پاس کیا۔اس کے بعد داؤد کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی سے میٹلرجیکل انجینئرنگ کی۔انجینئر بننے کے بعد کراچی میں 'نیا دور' کے نام سے موجود آٹوموبائل اسمبلر پلانٹ میں نوکری کا آغاز کیا۔اس کمپنی کی نئی شکل آج کل قراقرم موٹرز پرائیویٹ لمیٹڈ کی صورت میں کراچی میں موجود ہے۔اجمل کمال اس نوکری سے مطمئن نہ تھے۔دراصل اُن کا مزاج صرف ملازمت سے ہی عدم مطابقت نہیں رکھتا تھا بلکہ انجینئرنگ بھی اس مزاج کا حصہ نہ تھی اسی لیے انھوں نے بزنس ایجوکیشن کا سوچا اور جامعہ کراچی کے انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن میں ایم بی اے کی شام کی کلاسز میں داخلہ لے لیا۔۱۹۸۸ء میں آئی بی اے ، جامعہ کراچی سے ایم بی اے کی سند حاصل کی ۔ ایم بی اے کرنے کے بعد نیشنل ڈیویلپمنٹ فنانس کارپوریشن (NDFC) میں پراجیکٹ اینالسٹ کی نوکری مل گئی ۔این ڈی ایف سی کا قیام ۱۹۷۳ء میں پارلیمنٹ سے منظور ہونے والے ایک ایکٹ کے بعد عمل میں آیا تھا جس کی رُو سے حکومت کا کام پبلک انٹرپرائزز کو کاروبار کے لیے سرمایہ دینا تھا۔مشرف دور میں اسے نیشنل بینک آف پاکستان میں ضم کر دیا گیا۔اجمل کمال نے کم وبیش دس برس اس بینک میں ملازمت کی۔اس کے بعد بینک نے [کچھ ملازمین سے جان چھڑانے کے لیے] گولڈن ہینڈ شیک اسکیم نکالی۔اجمل کمال نے یہ چانس لیتے ہوئے بینک کی ملازمت چھوڑ دی اور گولڈن ہینڈ شیک سے حاصل ہونے والے سرمایے سے کراچی صدر میں ایک دفتر خریدا اسی دفتر میں سٹی پریس قائم ہوا اور ساتھ ہی کتابوں کی ایک چھوٹی سی دکان بھی بنالی ۔ یہ اجمل کمال کی پیشہ وارانہ زندگی کے سفر کا ایسا مستقل پڑاؤ بن گیا جس میں کاروبار سے زیادہ ادب سے وابستگی کی خوشی اور اطمینان شامل تھا۔سٹی پریس کے نام سے قائم اشاعتی ادارہ صرف رسالہ 'آج' کی اشاعت کا کام نہیں کرتا تھا بلکہ اس کے علاوہ بھی اجمل کمال کے فکری مزاج سے مطابقت رکھنے والی کتابیں یہاں سے شائع ہوتی ہیں۔دریں اثنا اجمل کمال نے مختلف اخبارات میں مضامین بھی لکھنے شروع کیے۔'ڈان' میں لکھتے تھے تو اس معروف انگریزی اخبار کے دفتر بھی آنا جانا رہتا۔وہیں زینت حسام نامی اُس خاتون سے ملاقات ہوئی جو نفسیات میں ایم اے تھی اور 'ڈان' میں کام کرتی تھی۔زینت حسام کے والد حسام صاحب کراچی میں اخبارات کی کمپیوٹر کمپوزنگ شروع کرنے والے اولین لوگوں میں تھے۔وہ نوے کی دہائی میں کراچی میں شدت پکڑنے والی نسلی رمذہبی فرقہ واریت کی فضا کی بھینٹ چڑھے اور بھرے بازار میں قتل کر دیے

گئے۔زینت حسام کے بھائیوں کا اچھا کاروبار تھا اور یہ گھرانہ مالدار شمار ہوتا تھا۔زینت حسام پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف لیبر ایجوکیشن اینڈ ریسرچ (پائلر) سے بھی طویل عرصہ وابستہ رہیں اور یہیں سے ریٹائر ہوئیں۔اُن کا شمار آج بھی انگریزی روز نامہ 'ڈان' میں سماجی موضوعات پر لکھنے والے اہم لکھاریوں میں ہوتا ہے۔اجمل کمال اور زینت حسام کا 'ڈان' کے دفتر سے شروع ہونے والا تعلق شادی کے رشتے پر منتج ہوا۔دونوں نے 'ایکسپریس ٹرائی بیون' اور 'ڈان' میں مضامین لکھنے کے علاوہ سٹی پریس کو مشاورت اور لگن کے ساتھ چلایا۔زینت حسام 'آج' کی مینجنگ ایڈیٹر رہی ہیں اور ادبی دنیا میں اپنے تراجم کے ذریعے بھی نام کمایا۔منتخب تراجم پر مشتمل اُن کی کتاب مہر سکوت ۲۰۰۷ء میں 'آج کی کتابیں' سٹی پریس کراچی کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی۔اجمل کمال اور زینت حسام کامیاب ازدواجی زندگی گزارنے میں ناکام رہے۔دونوں کے مزاج میں کافی فرق تھا سو بالآخر ۰۳-۲۰۰۲ء میں انھوں نے علیحدگی اختیار کر لی۔زینت حسام سے علیحدگی کے دو برس بعد نیپال میں اجمل کمال کی گوری پٹ وردھن سے ملاقات ہوئی اور یہ ملاقات اجمل کمال کی دوسری شادی پر منتج ہوئی۔گوری پٹ وردھن کا تعلق پونا سے تھا۔انھوں نے ۱۹۸۶ء میں گوا کالج آف فائن آرٹس سے ایم اے کیا۔اس کے بعد ۱۹۸۹ء میں فلم اینڈ ٹیلی ویژن انسٹی ٹیوٹ آف انڈیا سے ایڈیٹنگ میں ڈپلومہ کیا اور ڈاکومنٹریز کی ایڈیٹنگ کا کام شروع کیا۔گوری پٹ وردھن نے بچوں اور نوجوانوں کے لیے بہت سی ایجوکیشنل ڈاکومنٹریز بنائیں۔نیشنل انسٹی ٹیوٹ آج ڈیزائن احمد آباد، انڈس ویلی سکول آف آرٹ اینڈ آرکیٹکچر کراچی اور ZABST کراچی میں پڑھاتی بھی رہی ہیں۔آج کل اُن کا شمار معروف ڈاکومنٹری فلم میکرز میں ہوتا ہے۔اُن کی ایک فلم کو جو Two tales of modikhana کے نام سے ۲۰۱۱ء میں منظر عام پر آئی، بہت شہرت حاصل ہوئی ہے۔گوری پٹ وردھن سے اجمل کمال کی شادی ۲۰۰۵ء میں کراچی میں ہوئی۔گوری پٹ وردھن کی بھی یہ دوسری شادی تھی جس سے پہلے انھوں نے اسلام قبول کیا۔گوری شروع میں تو پاکستان میں مقیم رہیں اور انڈیا بھی آتی جاتی تھیں۔کچھ عرصہ بعد ویزا کی سختی کے باعث آنے جانے کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔اب وہ طویل عرصے سے ہندوستان میں ہی مقیم ہیں۔اجمل کمال خود آج کل دہلی میں ہیں اور ساؤتھ ایشین یونیورسٹی نئی دہلی سے پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔سہ ماہی 'آج' کے ساتھ ساتھ انھوں نے انگریزی میں 'سٹی' کے نام سے ایک رسالہ بھی کچھ عرصہ پہلے جاری کیا ہے جس کے پانچ شمارے شائع ہو چکے ہیں۔اجمل کمال کی ادبی دنیا میں پہچان کا اصل حوالہ تو اُن کے تراجم اور سہ ماہی 'آج' کی ادارت ہے لیکن انھوں نے چند بہت عمدہ تنقیدی مضامین بھی لکھے ہیں۔''آج'' کے شمارہ نمبر ۹۱ میں اجمل کمال کے دس تنقیدی مضامین ایک ساتھ شائع ہوئے۔بعد میں یہ مضامین کتابی صورت میں اچھی اُردو بھی کیا بری شے ہے کے عنوان سے منظرِ عام پر آئے۔

حوالہ جات:

۱۔　نئے۔پڑھنے۔والوں۔پر۔وہ۔ثقافتی۔بوجھ۔نہیں۔ہے/[http://www.laaltain.com]

Webpage visited and cited on: 03-jul-2017, 4:30PM

۲۔　انٹرویو: اجمل کمال [بحوالہ ویب پیج: محولہ بالا]

۳۔ رائے،انورسن،آج کی مسلسل اشاعت کے 25 سال،بی بی سی اُردو ڈاٹ کام،کراچی،۱۱ر دسمبر ۲۰۱۴ء

۴۔ کمال،اجمل،وضاحت،مشمولہ:آج'دوسری کتاب(کراچی،آج کی کتابیں،۱۹۸۶ء)ص ۶

۵۔ انٹرویو:اجمل کمال[بحوالہ ویب پیج:محولہ بالا]

۶۔ محمد عمر میمن،تعارف:انطون شاس،آج،شمارہ نمبر ۶،سرما/۱۹۹۱ء،ص ۸۹

۷۔ اجمل کمال،تعارف:پلینیو اپولیو میندوزا،آج،شمارہ نمبر ۷،بہار/۱۹۹۱ء،ص ۸

۸۔ میندوزا،پلینیو اپولیو،گابرئیل،مترجم:اجمل کمال،آج،شمارہ نمبر ۷،بہار/۱۹۹۱ء،ص ۲۵

۹۔ ایضاً ص ۳۰ ۱۰۔ ایضاً ص ۴۴۹

۱۱۔ ایضاً ص ۴۵۲۔۴۵۳

۱۲۔ نیرّ مسعود،فارسی کہانی:ایک مختصر تعارف،مشمولہ:آج،شمارہ نمبر ۱۵،سرما بہار ۱۹۹۴ء،ص ۲۴۹

۱۳۔ ایضاً ص ۲۵۰

۱۴۔ ایضاً ص ۲۵۱

۱۵۔ کالے،سگرڈ،۱۹۵۰ء کے عشرے کا کراچی تھیٹر(مترجم:ذی شان ساحل)،مشمولہ:آج،شمارہ نمبر ۲۰،خزاں ۱۹۹۵ء،ص ۳۶۳

۱۶۔ نعیم،چودھری محمد،نذیر احمد کا انعامی ادب،مشمولہ:آج،شمارہ نمبر ۲۶،سرما بہار ۱۹۹۸ء،ص ۲۳۳

۱۷۔ اجمل کمال،تعارف:انتخاب،آج، شمارہ نمبر ۳۳،جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء،ص ۱۴۸

۱۸۔ اچیبے،چینوا،افریقہ کا تصور(مترجم:معظم شیخ)،مشمولہ:آج،شمارہ نمبر ۳۳،جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء،ص ۱۸۷

۱۹۔ سلیم الرحمٰن،محمد،تمام یورپ نے کرٹز کی تخلیق میں ہاتھ بٹایا تھا،مشمولہ:آج،شمارہ نمبر ۳۳،جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء،ص ۲۱۳

۲۰۔ خالد اختر،محمد،اُداس نسلیں،مشمولہ:آج،شمارہ نمبر ۵۲،فروری ۲۰۰۵ء،ص ۱۲۷

۲۱۔ خالد اختر،محمد،چلے دن بہار کے،مشمولہ:آج،شمارہ نمبر ۵۲،ص ۱۴۹،۱۵۰

۲۲۔ خالد اختر،محمد،دستک نہ دو،مشمولہ:آج،شمارہ نمبر ۵۲،ص ۱۸۰

۲۳۔ خالد اختر،محمد،بازگشت،مشمولہ:آج،شمارہ نمبر ۵۲،ص ۲۳۰

۲۴۔ اجمل کمال،تعارف: ابوالفضل صدیقی کی کہانیاں: فہم ونظر کا اسمبلا ژاز شمس الحق عثمانی،مشمولہ: آج، شمارہ نمبر ۶۶،فروری ۲۰۱۰ء،ص ۲۱۰

۲۵۔ فہمیدہ ریاض،وبھوتی نرائن کا گھر،مشمولہ:آج،شمارہ نمبر ۸۸،اپریل ۲۰۱۵ء،ص ۱۰۶

۲۶۔ اجمل کمال،منٹو اور اُردو تنقید،مشمولہ:آج،شمارہ نمبر ۹۱،اگست ۲۰۱۵ء،ص ۱۴۱

۲۷۔ ایضاً ص ۱۴۵

مآخذ:

- اجمل کمال۔منٹو اور اُردو تنقید،مشمولہ: آج،شمارہ نمبر ۹۱،اگست ۲۰۱۵ء
- اجمل کمال۔نئے۔پڑھنے۔والوں۔پر۔وہ۔ثقافتی۔بوجھ۔نہیں۔ہے/[http://www.laaltain.com]
- اجمل کمال۔وضاحت،مشمولہ: آج' دوسری کتاب۔کراچی،آج کی کتابیں،۱۹۸۶ء۔
- اجمل کمال۔تعارف: ابوالفضل صدیقی کی کہانیاں:فہم ونظر کا اسمبلاژ از شمس الحق عثمانی،مشمولہ: آج،شمارہ نمبر ۶۶،فروری ۲۰۱۰ء
- اجمل کمال۔تعارف: انتخاب،آج، شمارہ نمبر ۳۳،جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء
- اجمل کمال۔تعارف: پلینیو اپولینیو میندوزا،آج،شمارہ نمبر ۷، بہار ۱۹۹۱ء
- اچیبے،چینوا۔افریقہ کا تصور(مترجم: معظم شیخ)،مشمولہ: آج،شمارہ نمبر ۳۳،جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء
- انورسن رائے۔آج کی مسلسل اشاعت کے 25 سال،بی بی سی اُردو ڈاٹ کام،کراچی،۱۱ردسمبر ۲۰۱۴ء
- چودھری محمد نعیم۔نذیر احمد کا انعامی ادب،مشمولہ: آج،شمارہ نمبر ۲۶،سرما بہار ۱۹۹۸ء،
- فہمیدہ ریاض۔وبھوتی نرائن کا گھر،مشمولہ: آج،شمارہ نمبر ۸۸،اپریل ۲۰۱۵ء
- کاہلے،سگرڈ۔۱۹۵۰ء کے عشرے کا کراچی تھیٹر(مترجم: ذی شان ساحل)،مشمولہ: آج،شمارہ نمبر ۲۰ خزاں ۱۹۹۵ء
- محمد سلیم الرحمٰن۔تمام یورپ نے کرٹز کی تخلیق میں ہاتھ بٹایا تھا،مشمولہ: آج،شمارہ نمبر ۳۳،جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء
- محمد عمر میمن۔تعارف: انطون شاس،آج،شمارہ نمبر ۶،سرما ۱۹۹۱ء
- محمد خالد اختر۔اُداس نسلیں،مشمولہ: آج،شمارہ نمبر ۵۲،فروری ۲۰۰۵ء
- محمد خالد اختر۔بازگشت،مشمولہ: آج،شمارہ نمبر ۵۲،فروری ۲۰۰۵ء
- محمد خالد اختر۔چلے دن بہار کے،مشمولہ: آج،شمارہ نمبر ۵۲،فروری ۲۰۰۵ء
- محمد خالد اختر۔دستک نہ دو،مشمولہ: آج،شمارہ نمبر ۵۲،فروری ۲۰۰۵ء
- میندوزا،پلینیو اپولینیو۔گابرئیل،مترجم: اجمل کمال،آج،شمارہ نمبر ۷، بہار ۱۹۹۱ء
- نیرّ مسعود۔فارسی کہانی: ایک مختصر تعارف،مشمولہ: آج،شمارہ نمبر ۱۵،سرما بہار ۱۹۹۴ء